- کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ ہماری تلوار اور دشمن کی گردن ہو کیوں نہ ہم اپنے سر و سینے میں بھی زخم کے نشان پائیں - بستر پر آرام کرنے والوں کو رونا چاہئے کہ پاؤں میں کانٹا چبھ گیا - لیکن سپاہی کو زخموں پر زخم کھا کر بھی اف نہیں کرنا چاہیے - کیوں کہ اس کی جگہ تو بستر نہیں - بلکہ میدان جنگ ہے -

شکست و زخم کا خوف ہے تو میدان جنگ میں قدم ہی نہ رکھو اور تلواروں سے بچنا چاہتے ہو تو تمہارے لیے بہترین جگہ پھولوں کی سیج ہے - چلو گے ٹھوکر کھاؤ گے اور لڑو گے تو زخم سے چارہ نہیں - پس اگر ٹھوکر لگی ہے تو آنکھیں کھولو اور بیٹھ کر رونے کی جگہ تیزی سے چلو کیوں کہ جتنی دیر بیٹھ کر تم نے اپنا گھٹنا سہلایا، اتنی دیر میں قافلہ اور دور نکل گیا -

پھر اگر دشمن کی کاٹ نے زخمی کیا ہے تو بھاگتے کیوں ہو - مایوسی خودکشی ہے اور امید زندگی، زیادہ چابک دستی سے پیکار جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ کیوں کہ جب تک دوسروں کو زخمی کرتے تھے زیادہ ہمت مطلوب نہ تھی لیکن زخم کھا کر تم نے معلوم کر لیا کہ دشمن توقع سے زیادہ قوی ہے اور اب پہلے سے زیادہ ہمت اور مستعدی مطلوب ہے -

میں نے کہا کہ قومی زندگی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اس کا ہر فرد ایک پیکر امید ہوتا ہے اور اپنے دل کو امید کی جگہ سمجھتا ہے نہ کہ مایوسی کی - لیکن اتنا ہی نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ زندہ قوموں کے لیے مایوسی کے اسباب میں امید کا پیغام ہوتا ہے اور مصیبتیں جتنی بڑھتی ہیں، اتنی ہی وہ اپنی امید کو اور زیادہ محبت اور پیار سے پالتے ہیں -

مصیبتیں ان کو مایوس نہیں کرتیں بلکہ غفلت سے ہوشیار کر دیتی ہیں اور عبرت و تنبیہ کی صورت میں ان کے سامنے آتی ہیں - وہ مصائب کے سیلاب کو دیکھ کر بھاگتے نہیں بلکہ اس راہ کو ڈھونڈ کر بند کرنا چاہتے ہیں جہاں سے اس نے نکل کر بہنے کی راہ نکالی ہے -

پس مصائب ان کے لیے ہو جاتے ہیں اور نامرادی ان کے لیے کامیابی کا دروازہ کھول دیتی ہے - وہ جس قدر کھوتے ہیں اتنا ہی زیادہ پاتے ہیں اور جس قدر گرتے ہیں - اتنا ہی زیادہ مستعدی سے اٹھتے ہیں - وہی دنیا جو کل تک ان کے لیے نامرادیوں کی دوزخ تھی یکا یک کامیابیوں کا بہشت بن جاتی ہے اور جس طرف دیکھتے ہیں، تخت فتحیابی بچھے ہوئے اور انہار کامرانی بہتی نظر آتی ہیں - یہی بہشت امید ہے جس کے رہنے والوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ:-

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَايَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا

Marfat.com

وَلَا تَهِنُوْا (۳ ـ ۱۳۹)

کامیابی وفیروزمندی کے تخت پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔غم واندوہ کی سوزش وتپش کا انہیں حس تک نہ ہوگا۔کیوں کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے پس دنیا بھی ان کو مایوس نہیں کرتی۔زندگی امید اور موت قنوط۔

لیکن اسی طرح قومی زندگی کے ایام ممات اور انسانی ارتقائے حیات کا سد باب اس دن سے شروع ہوتا ہے جس دن کا شانہ دل سے امید کا جنازہ اٹھتا اور مایوسی کا لشکر فتا امنڈتا ہے جس فرد یا جس قوم کو مصیبتوں اور ناکامیوں کے عالم میں مایوس دیکھو۔یقین کرو کہ اس کا آخری دن آ گیا۔مصیبتیں تو اس لیے تھیں کہ غفلت کو شکست اور ہمت کو تقویت ہو لیکن جو لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں دنیا کے اعمال وتدابیر کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہمارے لیے دنیا میں کچھ نہیں رہا وہ تو خود اپنے لیے زندگی کے بدلے موت کو پسند کرتے ہیں۔پھر دنیا کی کامیابی زندگی کو لڑ کر لینے والوں کے لیے ہے، مٹ جانے کے متلاشی کے لیے نہیں ہے۔

دیکھو قرآن کریم نے کیسے جامع الفاظ میں ایسے لوگوں کی حالت اور ان کی مایوسی کے نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس نے کسی چیز کی طرف اشارہ نہیں کیا مگر افسوس کہ بہت کم لوگ ہیں جو اس کی صداؤں پر کان لگاتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُاللّٰه على حرْفٍ فانْ اصابهٗ خيْرٌ اطْمانَّ به وانْ اصابتْهُ فتْنةٌ انْقلب على وجْهه خسر الدُّنْيا والْاخرة ذالك هُوالْخُسْرانُ الْمبيْنُ (۲۲ ـ ۱۱)

اور انسانوں میں بعض ایسے ہیں جو خدا کی پرستش تو کرتے ہیں مگر ان کے دلوں میں استقامت نہیں ہوتی اگر ان کو کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے۔اگر کبھی مصیبت آ پڑی تو جدھر سے آئے تھے ادھر ہی کو لوٹ گئے یعنی مایوس ہو کر ایمان سے ہاتھ اٹھا لیا۔یہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی دنیا بھی کھوئی اور آخرت بھی اور یہی سب سے بڑا اور صریح نقصان ہے۔

فرمایا کہ:۔

خَسِرَ الدُّنْيا والْاخرة:۔

کیوں کہ مایوسی کے بعد انسان کی قوت عمل معطل ہو جاتی ہے پھر وہ نہ صرف دنیا

Marfat.com

ہی میں ناکام ونامراد رہتا ہے بلکہ عاقبت کی خوش حالی سے بھی اسے ناامیدی ہی ملتی ہے۔

انسان کا فرض سعی وتدبر ہے اور وہ جب تک اس دنیا کی سطح پر باقی ہے اس کو سعی وکوشش سے باز نہیں آنا چاہیے۔ ہمارا کوئی عزیز بیمار ہوتا ہے۔ اور اس کی حالت صحت کی طرف سے مایوس کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر بھی جواب دے دیتے ہیں۔ تاہم سعی و علاج سے آخری ساعات نزع تک باز نہیں آتے۔ جب افراد کے ساتھ ہمارا حال یہ ہے تو تعجب ہے کہ قوم وملت کے ساتھ نہ ہو۔ کس کو معلوم ہے کہ کب دروازہ رحمت کھلنے والا ہے اور کب بارش ہونے والی ہے۔ دہقان کا کام صرف یہ ہے کہ تخم پاشی کرتا رہے۔

چوں دمبدم عنایت توفیق ممکن است
در تنگنائے نزع نہ کوشد کسے چرا

ہاں اگر یہ سچ ہے تو بے شک تمہاری لافناء زندگی کو جسے قیصر روم اور کسرائے فارس موت سے بدل نہ سکا تھا۔ اس نے مجروح کر دیا ہے۔ تمہارے ان آہنی جسموں کو جنہیں یرموک کے میدان میں متمدن رومیوں کے لاکھوں تیروں کے نشانے زخمی نہ کر سکے تھے یقیناً اس نے خاک وخون میں تڑپا دیا ہے اور تمہارے ان نشان ہائے توحید اور علمہائے دین الٰہی کو جسے آٹھ صلیبی حملوں کے لاکھوں نیزے بھی نہیں گرا سکے تھے۔ سچ یہ ہے کہ سردیا کے سورچ انے والے نے آج پارہ پارہ کر کے گرا دیا ہے۔ پھر اس میں شک کہ تم مر گئے تم جو کبھی نہیں مر سکتے تھے یقیناً مر گئے۔ تم کہ تمہاری رگوں کے اندر خدا کی روح جلال جاری ہے اور اس کی نصرت وحمایت کے ملائکہ مسومین تمہارے آگے دوڑتے تھے۔ یقیناً آج مر گئے پس جس قدر تم کو ماتم کرنا ہے اور جس قدر جلد اپنی قبر کھود سکتے ہو کھود لو کیوں کہ خدا کی رحمت اور دنیا کی زندگی صرف امید رکھنے والوں کے لیے ہے اور مایوسی کا نتیجہ موت کے سوا اور کچھ نہیں۔ خدا تم کو نہیں چھوڑتا، پر تم اسے چھوڑ رہے ہو۔ وہ تمہاری طرف دیکھتا ہے لیکن تم نے ناامید ہو کر اس کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ تم کو معلوم نہیں کہ یہی مایوسی ہے جس کو تمہارے خدا نے کفر کی خودکشی سے تعبیر کیا ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ (۲۲:۱۵:۱۶)

Marfat.com

جو شخص مایوس ہو کر اللہ کی نسبت ایسا ظن بد رکھتا ہو کہ اب دنیا و آخرت میں خدا اس کی مدد کرے گا ہی نہیں تو پھر اس کو چاہیے کہ اوپر کی طرف ایک رسی تانے اور اس کا پھندا بنا کر اپنے گلے میں پھانسی لگا لے اور اس طرح زمین سے جہاں اب وہ اپنے لیے صرف مایوسی سمجھتا ہے- اپنا تعلق قطع کرے پھر دیکھے کہ آیا اس تدبیر سے اس کو وہ شکایت جس کی وجہ سے مایوس ہو رہا تھا، دور ہو گئی ہے اس طرح ہم نے قرآن کریم میں ہدایت وفلاح کی روشن دلیلیں اتاری ہیں تا کہ تم ان پر غور کرو اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعے سے ہدایت بخشتا ہے-

دنیا میں ہمیشہ واقعات کا مطالعہ کرنے کے لیے دو طرح کی نظریں رہی ہیں، ایک امید کی اور دوسری مایوسی کی- حکمائے یونان کی نسبت سنا ہو گا کہ آثار و نتائج عالم پر بحث کرتے ہوئے ان میں دو مختلف مذاہب امید اور مایوسی کے تھے پھر جس طرح کی نظر سے تم دنیا کو دیکھو گے- وہ اسی رنگ میں نظر آئے گی- مایوسی کی نظر سے دیکھو تو اس کے دلائل بے شمار ہیں اور امید کا مذہب اختیار کرو تو اس کے پہلو مایوسی سے کم نہیں- اسلام ہم کو ہمیشہ امید کی تلقین کرتا ہے پس کیوں نہ ہم امید کے پہلوؤں ہی پر نظر ڈال لیں-

ان تیرہ سو برس کے اندر کتنی قومیں آئیں اور اپنی اپنی باری میں حفاظت اسلام کی خدمت انجام دے کر چلی گئیں- جب تک انہوں نے اسلام کا ساتھ دیا اپنے اعمال و اعتقادات میں اس سے منہ نہیں موڑا، اس وقت تک وہ بھی ان کے ساتھ رہا- لیکن جب انہوں نے اپنی صلاحیت اور قابلیت کھو دی اور اس مقصد کو بھول گئے جس کی انجام دہی کے لیے زمین کی وراثت ان کو دی گئی تھی تو ان کا دور کارفرمائی ختم ہو گیا اور اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کی امانت کسی دوسری جماعت کے سپرد کر دی- وہ اپنے کلمہ مقدس کی حفاظت کے لیے ہمارا محتاج نہیں ہے بلکہ ہم اپنی زندگی کے لیے اس کے دین مبین کی خدمت گذاری کے محتاج ہیں-

يَاأَيُّهَاالنَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ الَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَالْغَنِيُّ الْحَمِيْدُo اِنْ يَّشَأْيُذْهِبْكُمْ وَيَاتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَمَاذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (۳۵:۱۵-۱۷)

Marfat.com

تجدید وتاسیس

حضرات! اس وقت میں آپ کی توجہ ایک خاص مسئلہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ ہے تاسیس وتجدید کا فرق- ہماری قومی وجماعتی ترقی کے لیے تاسیس سراسر تباہی وہلاکت ہے اور تجدید ضروری ہے- میں نے دو لفظ بولے ہیں- ایک تاسیس اور ایک تجدید- ان کے معانی آپ پر روشن ہیں-

تاسیس اساس سے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ازسرنو کسی چیز کو بنانا تجدید جدت سے ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی پیشتر کی بنی ہوئی چیز کو تازہ کر دینا اور اس طرح سنوار دینا گویا وہ بالکل نئی ہوگئی- آج ہمارے قومی کاموں کی ہر شاخ میں ایک بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم نے اصولی طور پر طریق اصلاح کا فیصلہ نہیں کیا- مسلمانوں کی اصلاح حال کے لیے ضرورت طریقہ تاسیس کی ہے یا تجدید کی یعنی ان کی ضرورت یہ ہے کہ ازسر نو نئی باتیں، نئے طریقے، نئے ڈھنگ، نئے نظام اور نئی نئی چالیں اختیار کی جائیں یا صورت حال یہ ہے کہ پہلے سے ایک کارخانہ ملت موجود ہے جس کو اپنی بقاء اور ترقی کے لیے کسی نئی بات کی احتیاج نہیں بلکہ طرح طرح کی خرابیاں عارض ہوگئی ہیں اور بہت سی نئی نئی باتیں بڑھا دی گئی ہیں- پس ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ خرابیاں دور کر دی جائیں، پھوٹی ہوئی چیزیں واپس لے لی جائیں اور اس کو ویسا ہی بنا دیا جائے جیسا کہ اصل میں تھا- تاسیس کے معنی تو یہ ہوئے کہ آپ نے ایک پرانی عمارت گرا کر اور اس کو

از سر نو تعمیر کر کے بنایا جائے - تجدید یہ ہوئی کہ مکان پہلے سے موجود ہے صرف شکست وریخت کی درستگی مطلوب ہے - پس آپ نے نقائص دور کر کے اسے درست کر لیا - ہم کو غور کر لینا چاہیے کہ بناء ملت کی درستگی کے لیے تعمیرات اساسیہ مطلوب ہیں یا صرف اصلاحات تجدیدیہ - پس اگر تاسیس مطلوب ہے تو بلاشبہ ہمارا پہلا کام یہ ہوگا کہ نئے ڈھنگ اختیار کریں - لیکن اگر تجدید کی ضرورت ہے تو ہمیں نئی نئی چیزوں کی ضرورت نہ ہوگی - بلکہ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ پہلے سے جو چیزیں موجود ہیں، ان کا کیا حال ہے اور ان میں جو جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ کیوں کر دور کی جا سکتی ہیں - حضرات دین کامل ہو چکا ہے اور اتمام نعمت کا اعلان کر دیا گیا ہے -

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ۳

آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر کے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور وہ پسندیدہ دین اسلام ہے اور مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں میں ایک فرد بھی ایسا نہ ہوگا جو یہ کہے کہ اصلاح ملت اسلامیہ کے لیے شریعت قرآنیہ کی تعلیمات و نظامات کافی نہیں ہیں اور ہمیں غیروں کی تقلید اور دریوزہ گری کی ضرورت ہے - پس یہ اصل تو شفق و مسلم ہے کہ راہ اصلاح میں ضرورت صرف تجدید کی ہے تاسیس کی نہیں اور خود شارع علیہ الصلوۃ والتسلیمات نے بھی ہمیں تجدید کی خبر دی ہے نہ تاسیس کی جیسا کہ ابوداؤد میں ابو ہریرہ سے روایت ہے -

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجددلھا دینھا ۴

میری امت کی خاطر اللہ تعالیٰ ہر سو سال میں ایک مجدد بھیجے گا جو تجدید دین کرے گا -

لیکن میں عرض کروں گا کہ اگر یہ سچ ہے تو عملاً نتیجہ اس اعتقاد کا یہ ہونا چاہیے کہ ہمارا قدم طلب اصلاح میں تجدید کی طرف ہو جائے اور وقت کے نظر فریب اسلوب کار علی الخصوص یورپ کے مجلسی و اجتماعی طریقے ہمیں نظم شرعی سے روگردان نہ کریں - افسوس کہ اس وقت تک تمام داعیان اصلاح کا طرز عمل اس کے مخالف رہا ہے اور یقین

Marfat.com

کیجئے کہ یہی علت ہے کہ اس وقت تک ہماری کوئی اصلاح وترقی فوز وفلاح نہ پا سکی۔ اسلام اگر دین کامل ہے تو ضرورت ہے کہ اس نے اپنے پیروؤں کی تمام انفرادی و اجتماعی اور مدنی ضروریات کے لیے کامل واتم تعلیم دیدی ہو اور اگر وہ دین آخری ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم اور شارع کی عملی سنت ہر عہد، ہر زمانے اور ہر حالت اور ہر شکل کے لیے رہنما وکفیل ہو۔ ہمارا ایمان ہے کہ حقیقت ایسی ہے اور اسلام نے ہمارے تمام اجتماعی وقومی برکات کا سامان کر دیا ہے۔ لیکن پھر یہ کیا مصیبت ہے کہ ہم ان کھوئی ہوئی برکتوں کو واپس نہیں لینا چاہتے بلکہ نئی نئی راہوں کی جستجو میں حیران وسرگرداں ہیں۔ حضرات! غور سے سنو کہ قوم افراد سے مرکب ہے کہ ایک جماعتی سلک میں تمام افراد منسلک ہو جائیں اور تفرقہ وتشتت کی جگہ وحدت واتحاد پر افراد کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ہم اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں لیکن یورپ کے اجتماعی طریقوں کی نقالی کرنا چاہتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ آخر اسلام نے بھی حیات اجتماعی کے لیے کوئی نظم ہمیں دیا تھا یا نہیں۔ اگر دیا تھا اور ہم نے اسے ضائع کر دیا ہے تو یورپ کی دریوزہ گری سے پہلے خود اپنی کھوئی چیز کیوں نہ واپس لے لیں اور سب سے پہلے اسلام کا قرار دادہ نظام جماعتی کیوں نہ قائم کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک مجالس نہ ہوں، اجتماعیات نہ ہوں، انجمنیں نہ ہوں، کانفرنسیں نہ ہوں، تو کوئی قومی عمل انجام نہیں پا سکتا۔ نہ اتحاد و تعاون کی برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ پس ہم آج کل کے مجلسی طریقوں کے مطابق انجمنیں بناتے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ مگر ہم میں سے کسی کو بھی اس کا خیال نہیں آتا کہ اسی مقصد اجتماع وتعاون کے لیے اسلام نے بھی پانچ وقت کی نماز با جماعت، جمعہ، عیدین اور حج کا حکم دیا ہوا ہے لیکن اس کا نظام وقوام درہم برہم ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے کیوں نہ اسے درست کر لیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک کوئی قومی فنڈ نہ ہو اس وقت تک قومی اعمال انجام نہیں پا سکتے۔ پس ہم نئے نئے فنڈ قائم کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے مگر کاش کوئی یہ بھی سوچے کہ خود شریعت نے اس ضرورت کو رفع کرنے کے لیے زکوٰۃ و صدقات کا حکم دیا ہے۔ اس کا نظم ٹھیک ہے کہ نہیں۔ اگر وہ قائم ہو جائے تو پھر کیا کسی فنڈ یا چندہ کی ضرورت ہو گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کی تعلیم عام کے لیے مجامع ومحافل کی ضرورت ہے۔ ہم اس کے لیے نئی نئی تدبیریں کرنے لگتے ہیں مگر کبھی یہ حقیقت ہمارے

Marfat.com

دلوں کو بیقرار نہیں کرتی کہ عین اسی مقصد سے شریعت نے خطبہ جمعہ کا حکم دیا ہے اور ہم نے اس کی برکتوں کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی قومی و اجتماعی کام انجام پا نہیں سکتا کہ جب تک اس میں نظم و انضباط نہ ہو اور یہ ہو نہیں سکتا جب تک کہ اس کا کوئی رئیس و قائد مقرر نہ کیا جائے - پس ہم تیار ہو جاتے ہیں کہ جلسوں اور انجمنوں کے لیے کوئی صدر تلاش کریں لیکن اگر یہی حقیقت شریعت کی ایک اصطلاح امامت کے لفظ میں ہمارے سامنے آتی ہے تو ہمیں تعجب و حیرانی ہوتی ہے اور اس کے لیے ہم تیار نہیں ہوتے - ان مثالوں سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے لیے راہ عمل تجدید و احیا ہے نہ کہ تاسیس و اختراع - پس کسی طرح بھی یہ طریق صواب نہ ہوگا کہ علمائے و قائدین کی جمعیت بھی اپنے نظام و قوام کے لیے محض آج کل کی مجلسوں کے قاعدوں کی نقل و محاکات پر اکتفا کر لے - کیونکہ قائدین امت مرحومہ کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ عمل کے لیے ان مجلسوں کے ڈھنگوں اور طریقوں کے محتاج ہوں - ان کی راہ تو اتباع شریعت اور اقتداء بہ مشکوٰۃ نبوت کی ہے اور اسوہ حسنہ نبوت اور حکمت و رسالت نے انہیں تمام انسانی طریقوں سے مستغنی و بے نیاز کر دیا ہے - ہمارا طریق عمل تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم تمام طرف سے آنکھیں بند کر کے حکمت اجتماعیہ نبویہ کو اپنا دستور العمل بنا لیں، شریعت کے کھوئے ہوئے نظام کو از سر نو قائم و استوار کریں تا کہ اس طرح اسلام کی مٹی ہوئی سنتیں زندہ ہو جائیں - محض مجلس آرائی و ہنگامہ سازی ہمارے لیے کچھ سود مند نہیں ہو سکتی -

حضرات : آج وقت کی سب سے بڑی مہم اور ادائے فرض اسلامی کی سب سے نازک اور فیصلہ کن گھڑی ہے جو آزادی ہند اور مسئلہ خلافت کی شکل میں ہمارے سامنے آ گئی ہے - ہندوستان میں دس کروڑ مسلمان ہیں جو اس وقت سرشار غفلت تھے اور اب امادہ ہوئے ہیں کہ اطاعت و اعانت خلیفہ، عہد حفظ و حمایت بلاد اسلامیہ اور آزادی ہندوستان کی راہ میں اپنا اولین فرض اسلام سرانجام دیں - خدارا بتلائے کہ اس صورت حال کا طریق کار کیا ہونا چاہیے اور ایسے وقتوں کے لیے آخر اسلام نے بھی کوئی نظام بتلایا ہے کہ نہیں یا وہ باوجود دعوی تکمیل شریعت معاذ اللہ اس قدر نامراد ہو گیا ہے کہ آج اس کے پاس وقت کی مشکل و مصیبت کا کوئی حل نہیں - اگر بتلایا ہے تو وہ کیا ہے یا محض انجمن سازی اور ہنگامہ مجلس آرائی ہے یا محض اتباع ارائی رجال اور تقلید ارباب ظن و

Marfat.com

تخمین ہے- علی وجہ البصیرت اعلان کرتا ہوں کہ اس بارے میں بھی شرعی راہ صرف وہی ایک ہے اور جب تک وہ ظہور میں نہ آئے گی ہماری کوئی سعی مشکور نہیں ہوسکتی اور کوئی کوشش بار آور ثابت نہیں ہوسکتی - جس طرف آج ہمارے لیڈر اور قائد ہمیں لے جا رہے ہیں کہ ہر بات میں یا یورپ کی تقلید کی جائے اور یا پھر دوسرے ابنائے وطن کے طریق کار کی نقل اتاری جائے اور ان کی اقتداء کی جائے- یقیناً یہ تباہی و ہلاکت کی راہ ہے وَاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (۱۴:۲۸) کہ قوم کو تباہی و ہلاکت کے گڑھے میں گرا رہے ہیں- ہمارے سامنے صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے قرآن کی راہ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۲:۱۳۵)

کہ ہم تو صرف ملت ابراہیمی کی اطاعت کریں گے اور دوسری کوئی راہ نہیں جس کی ہم اطاعت کرسکیں اور یہی وہ صراط مستقیم ہے کہ آدمؑ نے بھی اسی پر قدم رکھا- نوحؑ نے بھی پتھروں کی بارش میں اس کا وعظ کیا- ابراہیمؑ نے اس کی نشان دہی کے لیے قربان گاہ بنائی - اسماعیلؑ نے اسی کی اینٹیں چنیں- یوسفؑ نے مصر کے قید خانہ میں اسی کا اعلان کیا - موسیٰ پر وادی طور میں اسی کی روشنی پر تجلی پڑی تھی- گلیلی کا اسرائیلی واعظ جب یروشلم کے نزدیک ایک پہاڑ پر چڑھا تو اس کی نظر اسی راہ پر تھی اور پھر جب خداوند سعیر سے چمکا اور فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا تو وہی راہ تھی جس کی طرف اس نے دنیا کو دعوت دی کہ اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا (۶:۱۳۵)- یہ ہے میری راہ فاتبعونی پھر تم میری ہی اتباع کرو- پھر خدارا ٹٹولو آج ہم اس کو چھوڑ کر کدھر جائیں اور سراج منیر کو پس پشت ڈال کر کس سے روشنی حاصل کریں- پس یہی ہمارا ایمان ہے اور یہی ہمارا راستہ ہے- اب ہم اس نشست میں اسی کو بیان کرتے ہیں-

تقلید کا دیوتا سنگ راہ ہے

ہر اصلاحی تحریک و دعوت کے لیے پہلے منزل تقلید کی بندشوں کو توڑنا ہوتا ہے کیونکہ تقلید کے اہرمن سے بڑھ کر انسان کے تمام یزدانی خصائل کا اور کوئی دشمن نہیں- انسانی اعمال کی جس قدر گمراہیاں ہیں ان سب کی تخم ریزی صرف تقلید ہی کی سرزمین میں ہوتی ہے- اس لیے راہ اصلاح کا اولین منظر یہ ہے کہ تقلید پرستی کے سلاسل واغلال سے

Marfat.com

انسانوں کو نجات حاصل ہو- خدا تعالی نے ہر انسانی دماغ کو سوچنے والا اور ہر آنکھ کو دیکھنے والا بنایا ہے-

الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین وھدینٰہ النجدین(۹۰ ـ ۱۰)

کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لیے آنکھیں نہیں دیں اور بولنے کے لیے زبان اور لبیں نہیں عطا کیں اور پھر ہدایت وضلالت کی دونوں راہیں اس کے سامنے نہیں کھول دیں-

اس لیے ہر انسان اپنی ہدایت وگمراہی کا ذمہ دار اور اپنے فکر ودماغ سے کام لینے کے لیے خود مختار ہے- لیکن انسان کی تمام قوتیں نشو ونما کی محتاج ہیں اور نشو ونما ہو نہیں سکتی جب تک قوتوں کو بغیر سہارے کے خود ورزش کے لیے چھوڑ نہ دیا جائے - انسان چلنے کی قوت اپنے ساتھ لے کر آتا ہے- بچے کو جب تک خود کھڑا ہونے اور پاؤں پر زور دینے کے لیے چھوڑ نہ دیجئے گا، کبھی اس کے پاؤں نہیں کھلیں گے- تقلید سے پہلی ہلاکت جو انسانی دماغ پر چھا جاتی ہے، وہ یہی ہے کہ انسان اپنے چند پیشواؤں اور مقتداؤں کی تعلیم یا آباؤ اجداد کے طریق ورسوم پر اپنے تئیں چھوڑ دیتا ہے اور صرف انہی کا تعبد کرتے کرتے خود اپنی قوتوں سے کام لینے کی عادت بھول جاتا ہے- اس عالم میں پہنچ کر اس کی حالت بالکل ایک چوپائے کی سی ہو جاتی ہے اور انسانی ادراک وتفعل کی تمام صلاحیتیں مفقود ہونے لگتی ہیں- انسان کا اصل شرف نوعی اور مابہ الامتیاز اس کے دماغ کا تدبر وتفکر اور اجتہاد وتجسس ہے- دنیا میں جس قدر علوم وفنون کا انکشاف ہوا، قوانین الہیہ اور نوامیس فطریہ کے چہروں سے جس قدر پردے اٹھے، اشیاء کائنات کے خواص کا کچھ سراغ لگا، تمدن ومصنوعات میں جس درجہ ترقیاں ہوئیں، نئے نئے حالات اور نئے نئے وسائل راحت جس قدر ایجاد ہوئے غرض کہ انسان کے ارتقاء ذہنی وفکری کے جس قدر کرشمے دنیا میں نظر آ رہے ہیں- یہ تمام تر اسی انسانی تدبر وتفکر کے نتائج ہیں لیکن تقلید پرستی کی عادت ہلاکت وبربادی کی ایک چٹان ہے جو انسانی تدبر وتفکر اور ادراک وتعقل کی تمام قوتوں کو کچل ڈالتی ہے اور اس کی قوت نشو ونما کا دائمی سد باب کر دیتی ہے- قرآن کریم جس دعوت کو لیکر آیا، فی الحقیقت اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ تقلید اور استبداد فکری کی زنجیروں سے انسان کو نجات دلائے - بت پرستی اور انسان پرستی کی تمام شاخیں

بھی اسی تقلید آباء و رسوم سے پیدا ہوتی ہیں- اسی لیے قرآن کریم نے اپنی تعلیم توحید کا اساس بھی انسان کی اجتہاد فکری پر رکھا اور تفکر پر زور دیا-

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۴۷:۲۴) کیا لوگ اپنے دماغ سے قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں-

مقلدین محض کو چوپائیوں اور حیوانوں سے تشبیہ دی ہے اور پھر اس کو بھی اظہار ضلالت کے لیے ناکافی قرار دے کر ان سے بھی بدتر فرمایا-

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَایَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَایُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَایَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۷:۱۷۹)

ان کے پاس دل و دماغ ہیں مگر نہیں سمجھتے - آنکھیں ہیں پر نہیں دیکھتے - کان ہیں پر نہیں سنتے - خود اپنے ذہن سے کام نہ لینے اور مقلد محض ہونے میں وہ مثل چوپائیوں کے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ-

پس خواہ مذہبی اصلاح ہو یا اخلاقی تمدن ہو یا سیاسی، ہر راہ میں پہلا پتھر تقلید کا حائل ہوتا ہے اور اگر یہ ہٹ جائے تو پھر آگے کے لیے راہ صاف ہے- ہم کو مسلمانوں کے موجودہ سیاسی تغیرات میں سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن جو چیز نظر آ رہی ہے وہ یہی لیڈروں کی تقلید پرستی ہے- اب فی الحقیقت پالیٹکس میں نہ تو قوم کی کوئی پالیسی ہے اور نہ کوئی رائے - صرف چند ارباب رسوخ و اقتدار میں جو اپنے محلوں میں بیٹھ کر تجویز بافی کر لیتے ہیں اور پھر تمام قوم کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ان کے ہاتھوں میں اپنی چھڑی پکڑا دیتے ہیں اور وہ کنویں کے بیل کی طرح ان کے بنائے ہوئے مرکز ضلالت کا طواف کرتی رہتی ہے- اصل قوت عام قوم کی ہے اور سچی پالیسی وہی ہے جو خود قوم کے دماغوں میں پیدا ہوئی ہو- لیڈروں کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کی نگہداشت کریں اور اس کو صحیح اور باقاعدہ تنظیم کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھیں- لیکن افسوس کہ مسلمان لیڈروں نے نہ تو کبھی خود قوم کو سوچنے اور سمجھنے کا موقع دیا اور نہ خود قوم کو اپنے ذاتی اجتہاد اور قوت تدبر و فکر سے کام لینے کی مہلت دی - ابتدا سے لیڈروں کی یہی تعلیم رہی ہے کہ تقلید و اتباع پر قناعت کرو اور جو کچھ کہا جائے اس پر چون و چرا مت کرو- کیونکہ ابھی تم میں تعلیم نہیں اور کئی صدیوں تک چار پایوں کی سی زندگی بسر کرنے کے لیے مجبور ہو- نعوذ باللہ،

Marfat.com

پیشوایان قوم کا صحیفہ تعلیم بھی گویا کلام الٰہی تھا کہ:

واذا قُرئ الْقُرآنُ فاستمعُوا لهٗ وانصتُوا لعلّكُم تُرحمُون (۷ ۲۰۴)

جب قرآن کریم پڑھا جائے تو پوری توجہ اور انقطاع کے ساتھ سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر اللہ کی نظر ترحم مبذول ہو۔

پس ہر تحریک اصلاح اور جد و جہد تعمیر کے لیے تقلید پرستی کے سنگ راہ کو راستہ سے ہٹانا اولین فرض ہے اور اس کے بغیر ہر سعی عمل بے نتیجہ اور ہر کوشش رائگاں ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تقلید پرستی کے مہلک مرض کا سرچشمہ اور منشا و مبداء احباری و رہبانی سطوت و جبروت ہے۔ پس تقلید کے قید خانے سے آدمی اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک پیشواؤں کے رعب و جبروت کی زنجیروں سے رہائی نہ پائے - انسان کے نظام دماغی پر صرف اعتقادات کی حکومت ہے۔ اس کے تمام حواس اسی کے ماتحت اور تمام اعمال و افعال اسی سے وابستہ ہیں۔ پس جب اس کا دماغ کسی خارجی عظمت و جبروت کے اثر سے مرعوب ہو جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال و معتقدات میں اس مرعوبیت کا اثر سرایت کر جاتا ہے۔ بلکہ وہ جو کچھ دیکھتا اور سنتا ہے وہ بھی اس مرعوبیت کے اثر سے خالی نہیں ہوتا - چونکہ اس کی قوت فکری بے کار ہو جاتی ہے اس لیے یہ مرعوبیت جو کچھ دکھاتی ہے دیکھتا ہے اور جو یقین دلاتی ہے یقین کرتا ہے۔ ایک بت پرست جب انتہاء درجہ کی عاجزی کے ساتھ ایک پتھر کی مورتی کے آگے سر ٹیکتا ہے تو کیا اس کا دماغ مختل ہو جاتا ہے اور کیا اس کی قوت بصارت جواب دے جاتی ہے کہ سوچنے اور سمجھنے والی قوت اس کے دماغ سے اس وقت چھین لی جاتی ہے تو کیا کوئی خاص قوت تفکر موحد اور اللہ پرست انسان کو نصیب ہے جو بت پرستوں کو نصیب نہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ ہم کو جو شئے محض پتھر کا ایک ٹکڑا نظر آتی ہے جو مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ (۲۵ : ۵۵) کا درجہ رکھتی ہے اسی شئے میں بت پرست انہی قوتوں اور عظمتوں کا کرشمہ دیکھتا ہے اور جو قوت فکری ہمیں اس پر ہنساتی ہے وہی اس کی طاقتوں کا اسے یقین دلاتی ہے۔ اس کا اصل سبب یہی ہے کہ تقلید آباء و رسوم نے ان بتوں کی عظمت و جبروت سے اس کے دماغ کو مرعوب کر دیا ہے اور تمام قوتیں و حواس اس کے گو قائم و صحیح ہیں، مگر اس رعب و سطوت کے بوجھ سے اس

Marfat.com

طرح دب گئی ہیں کہ ان کو اپنے اعمال کا موقعہ ہی نہیں ملتا - قوت فکری چاہے اس کے دل میں شکست اور تزلزل پیدا کرے کہ ان بتوں میں دھرا ہی کیا ہے، مگر مرعوبیت اس کی مہلت ہی نہیں دیتی - آنکھیں چاہے اس کو دکھلائیں کہ یہ ایک حقیر و ذلیل پتھر ہے مگر مرعوبیت کی باندھی ہوئی پٹی دیکھنے ہی نہیں دیتی - اس کے پاس غور وفکر کی وہ تمام قوتیں موجود ہیں جو ایک موحد اور ملکوت السموات والارض پر غور کرنے کے والے حکیم کے پاس ہیں، مگر اعتقاد عظمت کا دیو انہیں اپنے پنجہ کی گرفت سے نکلنے نہیں دیتا - قرآن کریم نے اسی حالت کی نسبت فرمایا ہے:

فانّها لاتعمی الابصارولکن تعمی القلوب التی فی الصّدور ○ (۲۲:۴۶)

گمراہوں کی آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں - یہ حالت عام ہے اور اس کی نظیریں انسانی اعمال کی ہر شاخ میں مل سکتی ہیں، مذہب کی طرح پالیٹکس میں بھی اپنے پیشواؤں کی عظمت و جبروت کا رعب اس طرح چھایا ہوا ہے کہ ان کو کبھی خود غور کرنے اور اپنی حالت کو سمجھنے کی جرات ہی نہیں ہو سکتی - اگر کبھی کسی شخص کے دل میں شک و شبہ پیدا بھی ہو جائے تو اس مرعوبیت کے استیلاء سے شکست کھا جاتا ہے - پس ہر مصلح کے لیے سب سے پہلا کام قوم کے قلب و دماغ سے لیڈروں کی اس رہبانی سطوت اور احباری جبروت وقہرمانی کے کابوس کو نکالنا ہے تا کہ تقلید کی بندشیں توڑ کر قوم کو صراط مستقیم پر گامزن کرا کے منزل مقصود کی جانب حرکت دی جائے - یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں اور ان کے جانشینوں کو ہمیشہ اسی بندش کے توڑنے اور سنگ راہ کو ہٹانے میں بڑے سے بڑے مصائب پیش آئے لیکن جب یہ بند ٹوٹ گیا تو وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۲:۱۱۰) لوگ جوق در جوق فوجوں کی فوجیں دعوت پر لبیک کہنے لگیں - هٰذَا مَاعِنْدِیْ وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ -

قرآنی مشعل راہ ضروری ہے

لیکن یہ جو کچھ کہ بیان ہوا تصویر کا ایک رخ ہے - یہ صرف سلبی پہلو ہے اور اسلام کا کوئی نظام اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا ---- جب تک کہ سلب کے ساتھ

ایجاب نہ ہو- اسی لیے اس کے ہر نظام واصول کی تکمیل سلب وایجاب اور نفی واثبات دونوں سے مل کر ہوتی ہے- اسلام کا اساسی میثاق جس کو شریعت کی زبان میں کلمہ طیبہ کہا جاتا ہے، نفی واثبات دونوں سے مرکب ہے- پس ضروری ہے کہ ارتقاء اسم کا قانون بھی سلب وایجاب سے مرکب ہو- اس کے اجزاء ترکیب میں دونوں کا وجود ناگزیر ہے تاکہ اجزاء سلبیہ لوح قلب کو تقلید اغیار سے صاف کریں اور ایجابی اجزاء کے نقوش اس پر کندہ کئے جائیں- اگر سلب نے تجلیہ کیا ہے تو ایجاب کا کام کرے اور انسانی قلوب محلی ہوکر ارتقائی منازل طے کریں- اس لیے پہلی بحث میں ہم نے سلب ونفی پر روشنی ڈالی تھی -اب بحث میں اثبات وایجاب پر کچھ نوک قلم کے سپرد کرتے ہیں- پس جیسے سلب میں ہر ماسوائی اللہ کی تقلید کی زنجیروں کو توڑنا ضروری ہے، ایسے ہی ایجاب میں صرف خداوندی کا طوق گلے میں ڈالنا ہے- انسان دنیا میں ہر طاقت کی غلامی سے آزاد پیدا ہوا ہے اور صرف اسی ایک کی غلامی کے لیے آیا ہے اور اس کی غلامی سے اس کے قانون کی تقلید و پیروی واتباع ہے- ہمارے پاس اگر کچھ ہے تو قرآن ہی ہے- اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے - ساری دنیا کی طرف سے ہماری آنکھیں بند ہیں اور تمام آوازوں سے کان بہرے ہیں- اگر دیکھنے کے لیے روشنی کی ضرورت ہے تو یقین کیجئے کہ ہمارے پاس تو سراج منیر کی بخشی ہوئی ایک ہی روشنی ہے- اسے ہٹا دیجئے گا تو بالکل اندھے ہو جائیں گے-

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۱۴ : ۱)

(ترجمہ) قرآن ایک کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی اسی لیے کہ انسان کو تاریکی سے نکالے اور روشنی میں لائے-

ہمارے عقیدے میں ہر وہ خیال جو قرآن کے سوا کسی تعلیم گاہ سے حاصل کیا گیا ہو ایک کفر صریح ہے- افسوس کہ لوگوں نے اسلام کو کبھی بھی اس کی اصلی عظمت میں نہیں دیکھا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (۶ : ۹۱) ورنہ پولیٹیکل پالیسی کے لیے نہ تو گورنمنٹ کے دروازے پر جھکنا پڑتا اور نہ ہندوؤں کی اقتداء کرنے کی ضرورت پیش آتی بلکہ اسی سے سب کچھ سیکھتے اور اسی کی بدولت تمام دنیا کو آپ ﷺ نے سب کچھ

Marfat.com

سکھلایا تھا - اسلام انسان کے لیے ایک جامع اور اکمل قانون لے کر آیا ہے اور انسانی اعمال کا کوئی مناقشہ ایسا نہیں جس کے لیے وہ حکم نہ ہو - وہ اپنی تعلیم توحید میں نہایت غیور ہے اور کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کی چوکھٹ پر جھکنے والے کسی دوسرے دروازے کے سائل بنیں مسلمانوں کی اخلاقی زندگی ہو یا علمی سیاسی ہو یا معاشرتی، دینی ہو یا دنیوی، حاکمانہ ہو یا محکومانہ، وہ ہر زندگی کے لیے ایک اکمل ترین قانون اپنے اندر رکھتا ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ دنیا کا آخری اور عالمگیر مذہب نہ ہوسکتا - وہ خدا کی آواز اور اس کی تعلیم گاہ خدا کا حلقہ درس ہے جس نے خدا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا - وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں - یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں امام مُبِیْن ، حَقُّ الْیَقِیْن ، نُوْرٌ کِتَابٌ مُبِیْن تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْیءٍ بَصَائِرُ لِلنَّاس هَادِیٌ. هُدًی اَهْدِی اِلٰی السَّبِیْلِ بَلاَغٌ لِلنَّاسِ ذِکْرٌ تَذْکِرَةٌ رُوْحٌ شِفَاءٌ مَوْعِظَةٌ حِکْمَةٌ حکم حَادِی لجُرَیر جَامِعَ اضراب وَاَمْثَالِ فُرْقَانٌ کِتَابٌ حَکِیْمٌ اور اسی طرح کے ناموں سے یاد کیا ہے - اکثر موقعوں پر کہا کہ وہ روشنی ہے اور روشنی جب نکلتی ہے تو ہر طرح کی تاریکی دور ہو جاتی ہے خواہ مذہبی گمراہیوں کی ہو یا سیاسی کی - دنیا میں کون سی کتاب ہے جس نے اپنے متعلق اپنی زبان سے ایسے عظیم الشان دعوے کئے ہوں -

قدجآء کُم من اللّٰه نُوْرٌ وَکتابٌ مُبِیْن یهْدی به اللّٰه مَن اتَّبع رضوانهٗ سُبُل السلام ویُخرجهُم من الظُّلُمات الی النُّور باذْنِه ویهدیهم الی صراط مُستقیم(۵:۱۵،۱۶)

(ترجمہ) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ہر بات کو بیان کرنے والی کتاب آئی ہے - اللہ اس کے ذریعے سے سلامتی کے راستوں پر ہدایت کرتا ہے - اس کو جو اس کی رضا چاہتا ہے، اس کو ہر طرح کی گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا ہے اور سیدھی راہ چلاتا ہے -

اس آیت میں صاف بتلایا گیا ہے کہ قرآن مجید روشنی ہے اور انسانی اعمال کی تمام تاریکیاں صرف اسی سے دور ہوسکتی ہیں - پھر کہا کہ وہ ہر بات کو کھلے کھلے طور پر بیان کر دینے والی ہے اور انسانی اعمال کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس کے اندر کوئی فیصلہ نہ ہو - اس ٹکڑے کی تائید دوسری جگہ کر دی -

Marfat.com

ولقد جئنٰھم بکتاب فصّلنٰہ علی علمٍ ھدًی وّرحمۃً لقوم
یؤمنون ط(۷ ۵۲)

(ترجمہ) بیشک ہم نے ان کو کتاب دی اور اس کو ہم نے علم کے ساتھ مفصل کر دیا ہے- وہ ہدایت بخشش اور رحمت ہے، ارباب ایمان کے لیے۔

پھر غور کرو کہ پہلی آیت میں قرآن کو سبل السلام کے لیے ہادی فرمایا کہ وہ تمام سلامتی کی راہوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اگر آپ کے سامنے پولیٹکل اعمال کی بھی کوئی راہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سلامتی آپ کو قرآن کے اندر نہ ملے- پھر کہا کہ وہ انسان کو تمام گمراہیوں کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری پولیٹکل گمراہیاں صرف اس لیے ہیں کہ ہم نے قرآن کے دست رہنما کو اپنا ہاتھ سپرد نہیں کیا ورنہ تاویل کی جگہ آج ہمارے چاروں طرف روشنی ہوتی - آخر میں کہہ دیا کہ وہ صراط مستقیم پر لے جانے والی ہے اور صراط مستقیم کی اصطلاح قرآن مجید میں امور مہم سے ہے- ایسی جامع و مانع اصطلاح ہے جس کی نظیر نہیں ایک جگہ فرمایا-

ونزّلنا علیک الکتاب تبیانًا لّکلّ شیءٍ ھدًی وّرحمۃً
وّبشریٰ للمسلمین○(۱۶ : ۸۹)

ہم نے تجھ پر ایک ایسی کتاب اتاری جو ہر چیز کو کھول کر بیان کر دینے والی اور ہدایت و رحمت ہے، صاحبان ایمان کے لیے۔

سورہ یوسف کے آخر میں فرمایا:

ماکان حدیثًا یُّفتری ولکن تصدیق الّذی بین یدیہ وتفصیل
کلّ شیءٍ وّھدًی وّرحمۃً لّقوم یؤمنون○(۱۲ ۱۱۱)

(ترجمہ) یہ قرآن کی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ جو صداقتیں پہلے کی موجود ہیں ان کی تصدیق کرتا ہے اور اس میں ارباب ایمان کے لیے ہر چیز کا تفصیلی بیان اور ہدایت و رحمت ہے-

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

ولقدْ ضربْنا للنّاس فیْ ھذا القرآن منْ کلّ مثلٍ لّعلّھم
یتذکّرون(۳۹ ۲۷،

ہم نے انسان کے سمجھانے کے لیے اس قرآن میں سب طرح کی مثالیں بیان کر دی ہیں تا کہ لوگ نصیحت وعبرت حاصل کریں اور راہ ہدایت پائیں- ان آیات میں قرآن کا دعوی بالکل صاف ہے- وہ ہر طرح کی تعلیمات کے لیے اپنے تئیں ایک کامل معلم ظاہر کرتا ہے پھر مزید برآں یہ کہ اس کی تعلیم صاف اور غیر پیچیدہ ہے بشرطیکہ اس میں تدبر وتفکر کیا جائے- اس کی تعلیم میں کسی طرح کا داؤ پیچ نہیں ہر طرح کے الجھاؤ سے پاک ہے- اس میں کوئی بات الجھی ہوئی نہیں-

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا(۱۸:۱)

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا جس میں کوئی پیچیدگی نہیں۔)

پس یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اسی کے ماننے والے زندگی کے کسی شعبہ میں دوسروں کے مسائل نہیں- حالانکہ خود قرآن ان کے پاس ایک حکم موجود ہے، وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ(۳۶:۱۲) اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ حیات کے مسائل کو ہم نے اس کتاب واضح میں جمع کر دیا ہے- ارشاد ہوتا ہے-

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ (۸۶:۱۳-۱۴) بیشک یہ قرآن قول فیصل ہے، تمہارے تمام اختلافات واعمال کے لیے اور یہ کوئی بے معنی وفضول بات نہیں-

مسلمانوں کی ساری مصیبتیں صرف اسی غفلت کا نتیجہ ہیں کہ انہوں نے ایسی تعلیم گاہ کو چھوڑ دیا اور سمجھنے لگے کہ صرف روزہ نماز کے مسائل کے لیے اس کی طرف نظر اٹھانے کی ضرورت ہے، ورنہ اپنے تعلیمی، سیاسی اور تمدنی اعمال سے اسے کیا سروکار- لیکن وہ جس قدر قرآن سے دور ہوتے چلے جائیں گے اتنا ہی تمام دنیا ان سے دور ہوتی چلی جائے گی لیکن آج خود مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ زبانی دعوے تو بہت ہیں مگر عملا قرآن سے اپنے اعمال دنیویہ کو بالکل نکال دیا ہے- اسی وقت کی پیش گوئی قرآن نے پہلے سے کر دی تھی کہ:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا.(۲۵:۳۰)

قیامت کے دن رسول خدا عرض کریں گے کہ خدایا میری امت نے اس

Marfat.com

قرآن کو بذیان سمجھا اور اس پر عمل نہ کیا بلکہ پس پشت ڈال دیا۔

ہم نہیں سمجھتے کہ اگر نزول قرآن کے وقت مشرکین مکہ اس سے اعراض و اغماض کرتے تھے تو ان میں اس سے زیادہ کیا تمرد و سرکشی تھی جتنی آج تمام مسلمانان عالم اور ان کا ہر طبقہ خواہ وہ مدعیان ریاست دینی کا ہو یا مسند نشینان تخت دنیوی کا، بلا استثناء کر رہا ہے۔ وہ اگر قرآن کی تلاوت کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے یا عبہ کے اندر شور مچاتے اور تالیاں پیٹتے تھے تا کہ اس کی آواز کسی کے سننے میں نہ آئے تو آج خود مسلمان کانوں کی جگہ دلوں کو بند کئے ہوئے ہیں اور شور مچانے کی جگہ خاموش ہیں۔ مگر ان کے نفس انسانی ہنگاموں کا ایسا غل مچا رہے ہیں کہ خدا کی آواز کسی کے کانوں میں نہیں پڑتی۔ پھر اے ساکنان ضلالت آباد دنیا اور اے سرگران خمار غفلت و مدہوشی اور اے دلدادگان غفلت و بیہوشی! ہم تم کو کیسے مسلمان سمجھیں اور اپنے آپ کو کس طرح تمہاری پیروی و اتباع کے لیے آمادہ کریں۔ اگر تم کہتے ہو کہ ہم نے تم کو زمرہ کفار میں داخل سمجھا اور اسلام سے خارج تو ہاں ایسا ہی سمجھا ہے۔ قسم ہے خدائے محمد و قرآن کی کہ ایسا ہی کہا ہے۔ پس کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک قرآن کو اپنے لیے مشعل راہ نہ بنائے۔ اس کارخانہ ہستی میں اقوام و امم کی ترقی و عروج قرآن ہی کی بدولت ہو سکتی ہے اور یہی وہ مرقات ترقی اور معراج ارتقاء ہے جس پر چل کر قوموں نے ترقی حاصل کی تھی اور آج بھی کر رہی ہے اور اسی کو چھوڑ کر ہم آج گرفتار غلامی ہیں۔

هذا كتاب يرفع الله به اقواما ويضع اخرين [1]

حواشی

[1] (ابوداؤد: کتاب الملاحم ۲/۲۴۱)

Marfat.com

کامیابی کی چار منزلیں

تمہارے سامنے کوئی مقصد ہے جس کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو اور اس کے حصول کے لیے تم بے قرار ہو- اس کی محرومی سے تم تلخ کام ہو- تمہارا ایک مطلب ہے جس کے حاصل کرنے کی تم جستجو کر رہے ہو- کوئی مراد ہے جس کے تم متلاشی ہو، کوئی مقصود ہے جس کی طلب سے تم تشنہ کام ہو- اس کی طلب وتلاش میں تم سرگرداں ہو- وہ اگر حاصل ہو جائے تو تم کامیاب وکامران ہو- اس کا حصول تمہاری جدوجہد کا نتیجہ ہے- وہ ثمرہ ہے جس کا پالینا تمہاری فلاح وکامیابی ہے- اس کی طلب وتلاش میں تم سرگرداں ہو - اس کا ملنا تمہارے دل کی تمنا وآرزو ہے- اسی کے ملنے میں تمہاری سرخروئی و سرفرازی ہے- وہی تمہارا منتہاء عروج ہے- فرض کرو اگر وہ نہ حاصل ہو تو تم خائب و خاسر ہو اور اس کے عدم حصول پر تم ماتم کناں وگریہ کناں ہو- اس کا نہ ملنا ہی تمہاری ناکامی ہے- اس کو نہ پانے سے تم ذلت وانحطاط کے گڑھے میں پہنچ جاتے ہو- یہی تمہاری رسوائی واہانت ہے- اس سے بڑھ کر نہ تمہاری کوئی بے عزتی ہو سکتی ہے اور نہ نامرادی وخسران- تو کیا ایسا مقصد اعلیٰ بغیر کسی شرط وقید کے حاصل ہو سکتا ہے- کیا ایسے اہم مقصد کے لیے کچھ کرنا نہ ہوگا- پس قرآن کہتا ہے، قومی واجتماعی مقاصد علیا کے لیے بھی شرائط وقیود ہیں- جب تک وہ شرائط نہ پوری کی جائیں، جماعتیں محروم ونامراد رہتی ہیں اور یہی ان کا خسران ومحرومی ہے اور یہی ان کی رسوائی وذلت ہے-

Marfat.com

والعصر○ان الانسان لفی خسر○ الاالذین امنوا وعملو
الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر (۱۰۳ : ۱ - ۳)

گردش زمانہ شاہد ہے کہ ہر جماعت خسارہ میں گھری ہوئی ہے- مگر وہی جو یہ چار کام انجام دیں - ایمان لائیں اور عمل صالح کریں، حق وصداقت کا اعلان کرتے رہیں اور صبر کی بھی تلقین کریں-

زمانہ اس لیے شاہد ہے کہ اس آسمان کے نیچے قوموں اور جماعتوں کی بربادی وکامیابی اور ارتقاء وانحطاط کی کہانی جتنی پرانی ہے اتنا ہی پرانا زمانہ بھی ہے- دنیا میں اگر کوئی اس انقلاب اقوام کا ہم عصر ہوسکتا ہے تو وہ صرف زمانہ ہے- پھر قوموں کی تباہی وبربادی اور کامیابی وفلاح جو کچھ بھی ہوتا رہا ہے، وہ زمانہ کی گود میں ہوا - پس انقلاب امم پر اگر کوئی چیز گواہ ہوسکتی تھی تو وہ صرف گردش ایام ہی تھا- اس لیے قرآن نے زمانہ کو اس پر شاہد اور گواہ بنایا کہ زمانہ اور اس کی گردش ورفتار اس بات پر شاہد ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک ان اصولوں چہارگانہ کو نہ اپنا لے - ہر جماعت خسارے میں رہے گی وہ اگر ان چار دفعات پر عمل پیرا نہ ہو- پس قرآن اعلان کرتا ہے کہ اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے لیے انسانوں کی تلاشوں اور جستجوؤں کے لیے اور امیدوں وتمناؤں کے لیے بڑی بڑی ناکامیاں ہیں گھاٹے اور ٹوٹے ہیں، خسران اور نامرادی ہے، محرومی اور بے مرادی ہے- لیکن دنیا کی اس عام نامرادی سے کون انسان ہے، کون جماعت ہے جو کہ بچ سکتی ہے اور ناکامیابی کی جگہ کامیابی اور نا امیدی کی جگہ امید اس کے دل میں اپنا آشیانہ بنا سکتی ہے- وہ کون انسان ہیں، وہ انسان جو کہ دنیا میں ان چار شرطوں کو قولا وعملا اپنے اندر پیدا کرلیں- جب تک یہ پیدا نہ ہوں گی، اس وقت تک دنیا میں نہ کوئی قوم کامیاب ہوسکتی ہے اور نہ ملک- حتی کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی کامیابی نہیں پا سکتے - ان چار شرطوں کے نام سے گھبرا نہ جانا- پہلی شرط وہ ہے جس کا نام قرآن کی بولی میں ایمان ہے- الاالذین امنوا تم جبھی کامیابی پا سکتے ہو جب تمہارے دلوں کے اندر اور روح وفکر میں وہ چیز پیدا ہو جائے جس کا نام قرآن کی زبان میں ایمان ہے- ایمان کے معنی عربی زبان میں زوال شک کے ہیں یعنی کامل درجہ کا بھروسہ اور کامل درجہ کا اقرار تمہارے دل میں پیدا ہو جائے- جب

Marfat.com

تک کامل درجہ کا یقین تمہارے دلوں کے اندر پیدا نہ ہو اور اللہ کی صداقت وسچائی اور اللہ کے قوانین واصولوں پر کامل یقین تمہارے قلوب میں موجزن نہ ہو جائے تب تک کامیابی کا کوئی دروازہ تمہارے لیے نہیں کھل سکتا - شک کا اگر ایک کانٹا بھی تمہارے دل کے اندر چبھ رہا ہے تو تم کو اپنے اوپر موت کا فیصلہ صادر کرنا چاہیے -تم کو کامیابی نہیں ہوسکتی - اس لیے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ تمہارے قلوب میں ایمان ہو، اطمینان ہو، یقین ہو، جماؤ ہو اور تمکن واقرار پیدا ہو- دل کا یہ کام، دماغ کا یہ فعل، تصور کا یہ نقشہ کامیابی کی پہلی منزل ہے- اگر اسی میں تمہارا قدم ڈگمگا رہا ہے تو کامیابی کی بو بھی تم نہیں سونگھ سکتے - کیا تم شک کا روگ اپنے پہلو میں لے کر دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی کامیابی بھی پا سکتے ہو- کیا تم دنیا میں ایک مٹھی بھر جو اور چاول پا سکتے ہو جب تک تمہارے لیے دلوں میں اس کے لیے یقین واعتماد اور بھروسہ واطمینان نہ ہو- دنیا میں کوئی مقصد بغیر اعتماد وبھروسہ کے حاصل ہوسکتا ہے- کیا چیونٹی سے لے کر ہاتھی کے کوہ پیکر وجود تک کوئی طاقت اپنا مقصد اور اس کے لیے جد وجہد کی سرگرمی بغیر عزم وارادہ کے دکھا سکتی ہے- کیا عزم وارادہ بغیر یقین واطمینان کے پیدا ہوسکتا ہے- اگر نہیں، تو قرآن تم سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اپنے اندر یقین واعتماد پیدا کرو تا کہ تمہارے لیے عزم وارادہ پیدا ہو اور پھر تم سرگرم عمل ہو کر جد وجہد کرو- لیکن کیا حصول مقصد کے لیے دل کا یہ یقین اور دماغ کا یہ فعل کافی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اور کچھ نہیں کرنا - کیا اسی سے کامیابی حاصل ہو جائے گی - فرمایا نہیں - بلکہ ایک دوسری منزل اس کے بعد آتی ہے- جب تک وہ دوسری منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے نہ کرلو گے تو صرف پہلی منزل کو طے کر کے کامیابی نہیں پا سکتے - اس کا نام قرآن کی زبان میں عمل صالح ہے- وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی وہ کام جو اچھائی کے ساتھ کیا جائے - جس کام کو جس صحت اور جس طریقے کے ساتھ کرنا چاہیے اور جو طریقہ اس کے لیے سچا طریقہ ہوسکتا ہے، اس کام کو اسی کے ساتھ انجام دیا جائے - اس سے سادہ تر الفاظ میں یہ کہ جو طریقہ اس کام کے انجام دینے کا صحیح طریقہ ہوسکتا ہے، اسے اسی طریقہ کے ساتھ انجام دیا جائے - قرآن کا یہ اصول تو عام ہے کیوں کہ ایمان کے معنی ہیں وہ کامل یقین وکامل اطمینان اور اقرار جو عمل سے پہلے پیدا ہوتا ہے-

فرض کرو کہ تمہارے سامنے ایک مکان ہے جس وقت یہ ایک چٹیل میدان تھا-

کوئی وجود اس عمارت و مکان کا نہ تھا - کسی کاریگر نے اس وقت یہاں کوئی تعمیر نہ کی تھی - نہ دیواریں تھیں اور نہ چھت وغیرہ کچھ بھی نہ تھا تو اس وقت بھی یہ مکان معہ اپنی لائینوں اور نقوش مزینہ کے موجود تھا - کہاں؟ کاریگر اور مالک کے دماغ میں پیدا ہوا تھا - پس وہ چیز جو اس کے دماغ میں موجود تھی - وہ ارادہ جو اس کے دماغ میں پیدا ہوا تھا، وہ پہلی منزل ہوئی جو مذہب میں آ کر ایمان کا نام اختیار کر لیتی ہے - بالکل جیسے وہ عمل دماغ ہے ویسے ہی تصور و یقین بھی عمل قلب ہے اور اسی کو قرآن ایمان کہتا ہے - اسی بنا پر سب سے پہلی منزل ایمان کی ہوئی - پس تجویز یہ ہے کہ پہلے تمہارے دل کے اندر سچا اطمینان و یقین اور صحیح ارادہ و عزم پیدا ہو پھر صرف دماغ کی منزل طے کر کے قدم نہ ٹھہر جائیں بلکہ ایک دوسری منزل وعملوا الصالحات کی بھی ہے یعنی عمل صالح کی منزل - تو جو طریقہ اس کو انجام دینے کا ہو اسی طریقہ سے انجام دو گے تو مکان کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گی - ورنہ نہیں - ایسے ہی یہاں بھی جس مقصد کو تم حاصل کرنا چاہتے ہو اس کے حاصل کرنے کے لیے جو عمل و سعی بھی کرو - وہ اسی طریقہ سے کرو، جو طریقہ اس کے کرنے کا ہے - اس کو بھی جب پورا کر لیا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ فتح مندی اور کامیابی کی دو منزلیں تم نے طے کر لیں - مگر پھر کیا تمہارا کام ختم ہو گیا - اس کے بعد کیا تم منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے - قرآن کی عالمگیر صداقت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ ان دو منزلوں کے بعد دو منزلیں اور باقی ہیں - اپنی ہمت تو آزما لو کہ ان کے لیے تمہارے تلوے تیار ہیں یا نہیں - تمہاری کمر ہمت مضبوط ہے کہ نہیں - ممکن ہے کہ یہ دو منزلیں تمہارے لیے سود مند نہ ہوں جو صرف ایک زنجیر کی کڑی کے ظاہر و باطن کی درستگی ہے - لیکن کیا ایک کڑی کے درست ہو جانے سے پوری زنجیر کا کام پورا ہو جایا کرتا ہے - اگر نہیں تو تم اپنی جگہ ایک کڑی ہو - تمہارا وجود قومی زنجیر کی ایک کڑی ہے - پس زنجیر کا کام ابھی باقی ہے اور تم گویا ہوا میں بکھری ہوئی شکل میں بے کار ہو - اس میں تمہارا کوئی وجود نہیں کیوں کہ قرآن وجود مانتا ہے، اجتماع کا نہ کہ کڑیوں کا - اس کے نزدیک وجود کڑیوں کا نہیں ہے بلکہ زنجیر کا ہے - تم میں سے ہر وجود ایک کڑی ہے - اس کا کام پورا نہیں ہو سکتا - جب تک وہ باقی کڑیوں کی خبر نہ لے - جب تک باقی کڑیاں مضبوط نہ ہوں گی زنجیر مضبوط نہیں ہو سکتی - اس لیے فرمایا کہ کامیابی کا سفر اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا، جب تک تیسری منزل تمہارے سامنے نہ آئے -

Marfat.com

وہ تیسری منزل ہے توحید حق کی وَتَوَا صَوْا بِالْحَقِ یعنی ان منزلوں سے کامیابی کے ساتھ گذرنے کے بعد تیسری منزل کو بھی کامیابی سے طے کرو یعنی دنیا میں خدا کی سچائی کا پیغام پہنچاؤ - جب تک تم میں یہ بات نہ ہو کہ تمہارا دل سچائی کے اعلان کے لیے تڑپنے لگے، تب تک تم کو کامیابی نہیں مل سکتی - اب اگر تیسری منزل کے لیے تیار ہو گئے - اگر توفیق الٰہی نے تمہاری دستگیری کی ہے اور تم نے یہ منزل بھی کامیابی کے ساتھ طے کر لی ہے تو کیا پھر مقصود حاصل ہو جائے گا اور کچھ نہ کرنا پڑے گا - قرآن کہتا ہے، نہیں - بلکہ ایک اور آخری منزل بھی ہے جو کہ اعلان صبر کی منزل ہے وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اعلان صبر کی منزل اعلان حق کی منزل کے ساتھ لازم وملزوم کا رشتہ رکھتی ہے - اس کے ساتھ اس کی گردن اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ جدا نہیں کی جا سکتی - فرمایا کہ حق کا وہ اعلان کریں گے - حق کا پیغام پہنچائیں گے - حق کا پیغام سنائیں گے - حق کی دعوت دیں گے - حق کی تبلیغ کریں گے - حق کا چیلنج کریں گے - حق کا پراپیگنڈا کریں گے - لیکن حق کا یہ حال ہے کہ حق کی راہ میں کوئی قدم نہیں اٹھ سکتا، جب تک کہ قربانیوں کے لیے نہ اٹھے - حق کا پیغام پہنچانا بغیر قربانی وایثار کے ایسا ہی ہے جیسا کہ آگ کو ہاتھ میں پکڑ لینا، بغیر اس کی گرمی کے - جیسے یہ ناممکن ہے، ویسے ہی وہ بھی محال ہے اس لیے چوتھی منزل صبر کی ہے - جب تک یہ منزل بھی طے نہ کی جائے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی -

ختم شُد

تفسیر مراغی

کاوشی در روح قرآن

مراغی و برادران گرامی آزاد